پاکستان کا ایٹمی پروگرام

اور

قادیانی

(جناب یونس خلش)

طالب دعا۔ زوہیب حسن عطاری

یونس خلش

پاکستان کا ایٹمی پروگرام اور قادیانی

جن دنوں ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی زندہ تھا۔ محترم ابن نظام نے چٹان کے جنوری کے شمارے میں انکشاف کرتے ہوئے لکھا کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو سائنس فاؤنڈیشن میں کام کرنے کے لئے اسلامی کانفرنس نے 5 کروڑ ڈالر کی منظوری دی ہے۔ جبکہ ڈاکٹر سلام نے اسلامی کانفرنس سے ایک ارب ڈالر کا تقاضا کیا تھا۔ ڈاکٹر سلام نے ٹریسٹی اٹلی میں نظریات طبیعات کا بین الاقوامی مرکز قائم کیا ہے۔ جس کے وہ ڈائریکٹر ہیں۔ اس مرکز کو بین الاقوامی ایٹمی ادارے یونیسکو کا تعاون بھی حاصل ہے۔ ڈاکٹر سلام کے بقول یہ غیر سیاسی ادارہ ہوگا اور اسے مسلم ممالک کے سائنس دان چلائیں گے۔

ڈاکٹر سلام نے سائنس فاؤنڈیشن کے بارے میں یہ گمراہ کن تاثر دینے کی کوشش کی ہے جیسے اس ادارے کی پالیسی اور ورکنگ ان کے مشوروں کی مرہون منت ہے۔ اسلامک سائنس فاؤنڈیشن کے ڈائریکٹر جنرل جناب احمد قطانی (مراکش) بڑے زیرک اور محب اسلام ایٹمی سائنس دان ہیں۔ انہوں نے ڈاکٹر سلام کی چرب زبانی کا بھانڈا اپنے چوراہے میں پھوڑ دیا ہے اور ان کے ہتھکنڈوں میں آنے سے صاف انکار کر دیا۔ ڈاکٹر سلام آج کل اسی نوع کا تاثر کویت میں دے رہے ہیں۔ کویت میں موصوف کی حیثیت اقوام متحدہ کے نمائندے کی سی ہے۔ جس پر حکومت کویت کو کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ قادیانی گماشتہ کس عیاری سے اسلامی ممالک کے ایٹمی اداروں میں نقب لگا رہا ہے۔

اسلامک فاؤنڈیشن جدہ میں واقع ہے۔ سعودی عرب کے بارے میں مشہور ہے کہ کوئی قادیانی وہاں پر نہیں مار سکتا۔ مگر ڈاکٹر سلام کے وہاں آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں۔ وہ پوری یکسوئی اور اعتماد کے ساتھ جدہ میں تمام اسلامی ممالک کے ایٹمی پروگراموں پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ اندازہ لگائیے کہ قادیانی کس قیامت کی چال چلتے ہیں اور سادہ لوح مسلمان کتنے وثوق سے فریب کا شکار ہو رہے ہیں۔

ڈاکٹر سلام کس پایہ کا سائنس دان ہے اور اسے نوبل پرائز کس تحقیق کے سلسلہ میں ملا۔ اس نے عالمی انعام حاصل کرنے کے بعد پاکستان کی کیا خدمات سرانجام دیں۔ یہ معمہ بھی حل ہو چکا ہے کہ پاکستان کے ایک ''مایہ ناز'' ایٹمی سائنس دان نے انکشاف کیا تھا کہ یہودیوں نے آئن سٹائن کی صد

سالہ برسی کے موقع پر فیصلہ کیا تھا کہ نوبل پرائز اپنی لابی میں جانا چاہئے۔ چنانچہ قرعہ ڈاکٹر سلام کے نام نکلا۔ یوں ڈاکٹر سلام نوبل انعام یافتہ ہوا۔ ورنہ اہلیت کے اعتبار سے وہ اس عالمی انعام کا سزاوار نہ ہو سکتا تھا۔ ڈاکٹر سلام نے عالمی اعزاز تو حاصل کر لیا ہے مگر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایٹمی میدان میں انتہائی استعداد کے بعد اس نے ملک کے لئے کون سا کارنامہ سرانجام دیا۔ کس سائنسی شعبہ میں اس کی دریافت سامنے آئی۔ کون سا معرکہ سر ہوا؟ یہ سوالات آج تک تشنہ جواب ہیں۔ ہم نے اس کے گلے میں پھولوں کے ہار تو ڈال دیئے۔ سرکاری سطح پر اس کا پرتپاک استقبال کیا۔ صدر پاکستان اس کے خیر مقدم میں بچھ بچھ گئے۔ ملت اسلامیہ کے جذبات سے بے نیاز ہو کر اس کی راہ میں پھولوں کی کہکشاں سجا دی گئی مگر اب تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ پاکستان کے ایٹمی اداروں میں کون سی انقلابی تبدیلی لایا ہے۔ میری معلومات کے مطابق وہ کوئی خدمت انجام دینے کے بجائے پاکستان کے بارے میں ایٹمی معلومات ہندوستان منتقل کرنے کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ وہ پوری طرح نگاہ رکھے ہوئے ہے کہ پاکستان میں کوئی قابل اور ذہین سائنس دان ایٹمی اداروں تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ڈاکٹر سلام پاکستان آتا ہے تو چند ہفتے قیام کے بعد وہ ہندوستان کو عازم سفر ہو جاتا ہے۔ جہاں اس کی راہ میں آنکھیں بچھا دی جاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بنگلور، بنارس اور ہندوستان کی دیگر بڑی درسگاہوں میں جدید سائنسی علوم پر لیکچر دیتا ہے۔ لیکچر محض بہانہ ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ پاکستان کے کٹر غنیم ہندوستان کو اپنی تازہ ترین معلومات سے آگاہ کرتا ہے۔

انڈیا انہی معلومات کی بنا پر لوک سبھا اور عالمی سطح پر توجہ کرنے لگتا ہے اور ان کے اخبارات پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ گھر کے بھیدی اس طرح انکا ڈھاتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ پاکستان کے سیاسی دانشور ڈاکٹر سلام کی علمیت کے قصیدے پڑھتے تھکتے نہیں۔

ڈاکٹر سلام ایک طویل عرصہ تک پاکستان میں صدر کا سائنسی مشیر رہ چکا ہے۔ وہ مسٹر بھٹو کا سائنسی مشیر بھی رہ چکا ہے۔ جناب بھٹو نے اسی کے ایما پر ڈاکٹر شہزاد صادق کو فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھا دیا تھا اور آئل اینڈ گیس ڈویلپمنٹ کارپوریشن کے تمام وسائل ان کی تحویل میں دے دیئے تھے۔ ڈاکٹر شہزاد برسوں او جی ڈی سی میں سیاہ و سفید کے مالک رہے اور رفتہ رفتہ قادیانی لابی کے لوگوں کو اوپر لاتے رہے۔ بھٹو کے بعد انہیں ملک سے فرار ہونا پڑا۔ مگر آج تک تیل و گیس کی کارپوریشن قادیانی لابی کے تصرف سے آزاد نہیں ہو سکی۔ اب بھی انہی عنایات کی بارش ہو رہی ہے اور ہم اپنی کوتاہی اور غفلت پر کف افسوس مل کر رہ گئے ہیں۔ ڈاکٹر سلام جب تک مسٹر بھٹو کے مشیر رہے، ان کی تمام صلاحیتیں قادیانی لابی کے لئے سرگرم رہیں۔ جناب بھٹو کچھ کچھ قادیانیوں کے عزائم سے باخبر ہو گئے تھے۔ انہیں احساس ہو گیا

تھا کہ ان کے اقتدار کے گرد ان کا دائرہ تنگ ہوتا جا رہا ہے۔

مسٹر بھٹو کے دور میں ایک سائنسی کانفرنس ہو رہی تھی۔ شرکت کے لئے ڈاکٹر سلام کو دعوت نامہ بھیجا گیا۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے کہ جب قومی اسمبلی نے آئین میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا تھا۔ یہ دعوت نامہ جب ڈاکٹر سلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے مندرجہ ذیل ریمارکس کے ساتھ اسے وزیر اعظم سیکرٹریٹ کو بھیج دیا۔

I do not want te set foot on this accursed land until the constitutional amendment is withdrawn.

''میں اس لعنتی ملک پر قدم نہیں رکھنا چاہتا جب تک آئین میں کی گئی ترمیم واپس نہ لی جائے۔''

مسٹر بھٹو نے جب یہ ریمارکس پڑھے تو غصہ سے ان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ انہوں نے اشتعال میں آ کر اسی وقت اسٹیبلشمنٹ ڈویژن کے سیکرٹری وقار احمد کو لکھا کہ ڈاکٹر سلام کو فی الفور برطرف کر دیا جائے اور بلا تاخیر نوٹیفکیشن جاری کر دیا جائے۔ وقار احمد نے یہ دستاویز ریکارڈ میں فائل کرنے کے بجائے اپنی ذاتی تحویل میں لے لی۔ تا کہ اس کے آثار مٹ جائیں۔ وقار احمد بھی قادیانی تھا۔ یہ کس طرح ممکن تھا کہ تی ہم دستاویز فائلوں میں محفوظ رہتی۔ اتنی دریدہ دہنی اور ڈھٹائی کے باوجود جب ڈاکٹر سلام پاکستان آتا ہے تو اس کی پذیرائی میں سرکار کی باچھیں کھل جاتی ہیں۔ اور اس کا شایانِ شان خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ وطن عزیز کی رسوائی اور حد درجہ بے حرمتی کرنے والے اس ڈاکٹر کی پذیرائی کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

مارشل لاء کے فیض یافتہ اور سابق وزیر تعلیم مسٹر محمد علی ہوتی کو ڈاکٹر سلام کا کلاس فیلو ہونے کا افتخار حاصل ہے۔ ڈاکٹر سلام جب پنجاب یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، تو جناب ہوتی نے ان دنوں سخت احتجاج کیا تھا کہ سلام قادیانی ہے۔ اس کا کھانا الگ کیا جائے۔ چند دن ہوئے مجھے ڈاکٹر سلام کے ایک پرانے رفیق اور ہم جماعت سے ملاقات کا موقع ملا۔ انہوں نے کہا ڈاکٹر سلام جب بھی پاکستان آتے ہیں تو یونیورسٹی کی پرانی یادیں تازہ کرنے کے لئے ان کے پاس مختصر قیام ضرور کرتے ہیں۔ ڈاکٹر سلام نے انہیں بڑے فخر سے بتایا کہ محمد علی ہوتی جس نے ہوسٹل میں ان کا کھانا الگ کر دیا تھا۔ آج کل اسلام آباد ائیر پورٹ پر گاڑی لے کر حاضر ہو جاتا ہے اور خوش آمدید کا یہ منظر دیدنی ہوتا ہے۔ نفرت محبت کے قدموں میں کس طرح سجدہ ریز ہوئی۔ اس اسرار سے سابق وزیر تعلیم ہی پردہ اٹھا سکتے ہیں۔ تاہم دانائے راز یہی کہتے ہیں کہ ڈاکٹر سلام کی خوشنودی کے طالب اچھی طرح جانتے ہیں کہ عہدہ و منصب کی تقسیم میں ڈاکٹر سلام کی کرم فرمائی اور نوازش شامل ہوتی ہے۔

مجھے اس نابغہ روزگار کی بات دل کو لگتی ہے۔ جس نے کہا تھا کہ پاکستان میں کوئی سیاسی جماعت اس وقت تک برسر اقتدار نہیں آسکتی جب تک اسے قادیانیوں کا غیر معمولی التفات میسر نہ ہو۔ انگلستان کا یہ پودا اب تناور پیڑ کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ اور اس کا زہر اور جڑیں ملک کے چاروں طرف پھیل رہی ہیں۔ انگریز کا آفتاب جب تک برصغیر پر قائم رہا، اس نے انہی افراد کو عہدوں سے نوازا، جو یا تو قایانی تھے یا ان کے منظور نظر تھے۔ اس طرح وہ ایک ایسی لابی قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے جو آج بھی ان کے افکار اور مفادات کی پروٹیکشن کر رہی ہے۔ مجھے اس میں کوئی شبہ نظر نہیں آتا کہ آج ملک میں ہماری دینی جماعتوں کے درمیان جو اختلافات پیدا ہوئے ہیں، ان کے پیچھے قادیانی منصوبہ بندی اور سازشوں کی بساط کام کر رہی ہے۔

انگریز کی پروردہ یہ تنظیم زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی شاخیں پھیلا رہی ہے اور سرکاری محکموں میں دخیل ہونے کی حد تک اثر انداز ہو رہی ہے۔ اس کے اثرات ختم کرنے کے لئے صحیح طریقہ سے منصوبہ بندی نہیں کی گئی۔ حساس محکمے اس کی دست برد سے کل محفوظ تھے نہ آج۔ اس کے ایجنٹ خود کو لبرل ثابت کرتے ہیں اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے عمل کو محض ملاؤں کی تنگ نظری اور کج اندیشی سے منسوب کرتے ہیں۔ ملا کا لفظ گالی بن کے رہ گیا ہے اور کوئی فرد رجعت پسند کہلوانے کے لئے آمادہ نہیں۔ بعض لوگ بڑی معصومیت اور سادہ لوحی سے سوال کرتے ہیں کہ ان مولویوں نے کیا ہنگامہ کر رکھا ہے۔ کیا پاکستان میں اقلیت کو تحفظ حاصل نہیں۔ کیا یہاں ہندو، سکھ، عیسائی اور پارسی نہیں رہتے۔ انہیں اگر شہری حقوق اور تحفظات حاصل ہیں تو قادیانی اس سے کیوں محروم ہیں۔

تان یہاں آ کر ٹوٹ جاتی ہے کہ یہ چند گمراہ مولویوں کے ذہن کا شاخسانہ ہے۔ ایک معروف کالم نویس نے قادیانیوں کا دفاع کرتے ہوئے لکھا کہ انہیں تو پاکستان میں بسنے والی تمام اقلیتوں سے زیادہ حقوق اور تحفظ ملنا چاہئے۔ کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں کئی اقلیتیں سکونت پذیر ہیں اور ریاست نے ان کے حقوق محفوظ کئے ہیں مگر آج تک کسی عیسائی یا ہندو نے اٹھ کر یہ باطل دعویٰ نہیں کیا کہ وہ مسلمان ہے۔ عیسائی اپنے آپ کو عیسائی سمجھتے ہیں اور ہندو خود کو ہندو کہلواتے ہیں۔ اگر کوئی شخص برسر عام اعلان کرے کہ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے علاوہ وہ بھی صدارت کے عہدے پر متمکن ہے تو 9 کروڑ عوام اسے پاگل سمجھنے میں ایک لمحہ کے لئے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ کیا حکومت یا ریاست اس قسم کے باغیانہ نعرے کو برداشت کر سکتی ہے؟

مرزا غلام احمد نے بیانگ دہل اپنے آپ کو نبی کہا ہے۔ نبوت کے جھوٹے دعویدار اور فریب دجل کو کس تحمل سے برداشت کیا گیا، اس کے پیروکار اور ان کے خیر اندیش ملت اسلامیہ کو تلقین کرتے ہیں کہ قادیانیوں

کو تمام اقلیتوں سے زیادہ حقوق دیئے جائیں جبکہ وہ اعلانیہ اور واشگاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ اسرائیل میں ہمارے مشن ہیں۔ یہودیوں کے وہی دوست ہو سکتے ہیں جو پاکستان اور عالم اسلام کے دشمن ہیں۔

پچھلے دنوں اسرائیل کے ایک اخبار یروشلم پوسٹ کے صفحہ اول پر تصویر شائع ہوئی جس میں قادیانی مشن کے سربراہ نے اسرائیل کے صدر کا اس بات پر شکریہ ادا کیا کہ اس نے انہیں مکمل آزادی دی اور ان سے تعاون کیا۔ فلسطینیوں کو بے گھر کرنے اور بیت المقدس کی بے حرمتی کرنے والے یہودیوں کے انہی کے ساتھ تعلقات قائم ہو سکتے ہیں جو 90 کروڑ مسلمانوں کے دینی جذبات سے کھیل رہے ہیں۔

ہمارے یہ لبرل دانشور جو قادیانیوں کو فتنہ اور غیر مسلم قرار دینے والے پر رجعت پسندی کی پھبتی کستے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ مسٹر بھٹو کوئی مولوی نہ تھے۔ اور نہ کوئی رجعت پسند لیڈر، بلکہ سزائے موت پانے سے پہلے انہوں نے شیو کا سامان طلب کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں مولوی کی موت نہیں مرنا چاہتا۔

I do want to die like moolvie death

مسٹر بھٹو سے ہزار اختلافات کی گنجائش ہے مگر کوئی شخص ان سے یہ اعزاز نہیں چھین سکتا انہوں نے قادیانیوں کے خلاف تحریک کی پرورش کی اور بالآخر انہیں 1973ء کے آئین میں غیر مسلم قرار دے کر دم لیا۔ یہ اتنا بڑا کریڈٹ ہے کہ آخرت میں ان کے لئے ذریعہ نجات بھی بن سکتا ہے۔ چٹان کے بانی آغا شورش کاشمیری نے مسٹر بھٹو کے نظریات کے خلاف ایک طوفانی جنگ لڑی۔ جیل میں گئے اور ناقابل برداشت صعوبتیں برداشت کیں مگر جب بھٹو نے آئین میں ترمیم کی تو انہوں نے تمام اختلافات سے بالاتر ہو کر انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ حالانکہ ان کے رفقاء ان سے متفق نہ تھے مگر آغا صاحب نے انہیں کہا! آج مسٹر بھٹو کے اچھے کاموں کی حوصلہ افزائی نہ کی گئی تو وہ آئندہ کوئی اچھا کام نہ کریں گے۔ تم اگر میرا ساتھ نہیں دینا چاہتے تو نہ دو، میں تنہا اس شخص کو مبارک باد پیش کروں گا جس نے ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کو قائم رکھا۔ چنانچہ یہ کہنا کہ قادیانیوں کو کافر قرار دینا محض علماء کی بصیرت کی تنگی ہے، سراسر خلاف حقیقت ہے۔

مسٹر بھٹو نے اپنے دور میں کہوٹہ ریسرچ سنٹر کا سنگ بنیاد رکھا اور ممتاز ایٹمی سائنسدان جناب اے کیو خان کو ہالینڈ سے بلا کر کہا آپ کام کریں اور اس سلسلہ میں بھاری اخراجات کی فکر نہ کریں۔ کہوٹہ سینٹر کے قیام کے فوراً بعد یہودی حرکت میں آگئے۔ انہوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے خلاف سازشوں کا جال پھیلانا شروع کر دیا۔ یہ ڈاکٹر صاحب کے علم وفن کا اعجاز ہے کہ وہ نہایت قلیل مدت میں پاکستان کو یورانیم کی افزودگی میں بھارت کے مقابلے میں بہت آگے لے آئے۔ یہ بات یہود کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی۔ چنانچہ ایک منظم منصوبہ کے تحت ڈاکٹر صاحب پر ایٹمی راز چرانے کا شوشہ چھوڑا گیا۔ ہالینڈ کی

عدالت میں ڈاکٹر صاحب کی عدم موجودگی میں مقدمہ چلا کر یک طرفہ فیصلہ کرایا گیا۔ تاکہ ڈاکٹر صاحب کو قوم کی نظروں سے گرادیا جائے۔ اہل پاکستان نے ڈاکٹر صاحب کے گلے میں گولڈ میڈل پہنا کر اپنے جذبات کا نذرانہ پیش کیا۔ وہ اس سے بھی بڑے اعزاز کے مستحق ہیں کہ گولڈ میڈل ان کی خدمات کے صلے میں بڑی حقیر چیز ہے۔ نوبل پرائز بھی ان کے جاوداں کارنامے اور خدمات کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ لیکن 9 کروڑ پاکستانیوں کے دل ڈاکٹر صاحب کے لئے دھڑکتے ہیں۔ جذبوں کا یہ خراج تمام عالمی انعامات سے سوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے لئے فقط اہل پاکستان کی محبتیں اور جذبات سے معمور دھڑکنیں ان کی آسودگی کے لئے کافی ہیں۔ ویسے بھی ان کے پایہ کی شخصیت عالمی اعزاز اور میڈلوں سے بالاتر ہے۔ اہل وطن کی نگاہیں ہر وقت ان کے لئے فرش راہ رہتی ہیں۔ یہ افتخار بانی پاکستان کے بعد اگر کسی شخص کے حصہ میں آیا ہے تو وہ فقط ڈاکٹر قدیر خان ہیں جو 9 کروڑ آنکھوں میں محوخرام ہیں۔

ڈاکٹر اے کیو خان کے خلاف قادیانی ٹولہ اس لئے بھی سرگرم ہے کہ انہوں نے کہوٹہ ریسرچ سنٹر میں کسی قادیانی فرد کو ملازمت نہیں دی۔ جبکہ ایٹمی توانائی کمیشن میں 25 کے قریب قادیانی اعلیٰ مناصب پر فائز ہیں جن میں ڈاکٹر عبدالسلام کا بھائی بھی شامل ہے۔

معتبر ذرائع سے اطلاعات ملی ہیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام جب پاکستان آتے ہیں تو ایٹمی توانائی کمیشن کراچی کے گیسٹ ہاؤس میں ان کے قیام وطعام کا انتظام کیا جاتا ہے۔ وہ جناب منیر احمد کو فون کرتے ہیں تو موصوف عالم شوق میں کراچی پہنچ جاتے ہیں۔ وہیں اہل دل کی محفل سجتی ہے اور کسی نامہ وقاصد کے بغیر پیغام پہنچتے ہیں۔ ڈاکٹر سلام وہیں سے ہندوستان کے لئے رخت سفر باندھتے ہیں۔ وہ وہاں کی معروف درس گاہوں میں اپنے بلیغ و فصیح لیکچر سے اہل علم کی تشنگی بجھاتے ہیں۔

ایک دانائے راز کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر سلام کی نگاہ ملک کے ان تمام افراد پر مرکوز ہے جو جدید ایٹمی علوم پر دستگاہ رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے تمام حضرات کو ایٹمی اداروں سے دور رکھیں۔ تاکہ پاکستان میں کوئی جوہر قابل سامنے نہ آسکے۔ مجھ تک موصول ہونے والی اطلاعات کے مطابق ایسے کئی ذہین سائنس دان ڈاکٹر سلام کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ ڈاکٹر سعید زاہد اس سلسلے میں سر فہرست ہیں۔ ڈاکٹر زاہد، ملک کے مایہ ناز ایٹمی سائنس دان ہیں۔ انہوں نے آسٹریلیا کے ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئر مین مسٹر جان فلپ بیکٹر کے ساتھ کام کیا ہے۔ اس کے بعد امریکہ چلے گئے جہاں انہوں نے نہایت امتیازی حیثیت سے دو کورسز کئے۔ شکاگو کی شہرت یافتہ ایٹمی تجربہ گاہ آرگان نیشنل لیبارٹری سے نیوکلیئر انجینئر نگ کا کورس مکمل کیا اور اوکرج میں نیوکلیئر ری ایکٹر ہیزرڈ کا کورس کیا۔ ڈاکٹر زاہد اپنی فیلڈ میں یکتا سائنس دان ہیں جنہوں نے نیوکلیر ری ایکٹر ہیزرڈ کی ڈگری حاصل کی۔ پاکستان

میں پلنگ کی منصوبہ بندی اور بلڈنگ کو ڈیزائن کرنے میں اس یکتائے روزگار سائنس دان کی شبانہ روز مساعی اور کاوشوں کا گہرا دخل ہے۔ امریکہ کے چوٹی کے ایٹمی سائنس دانوں نے ڈاکٹر سعید زاہد کی غیر معمولی صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے۔ بلکہ نیوکلیرری ایکٹر کے بارے میں ان کی بیش قیمت رائے کا احترام کیا ہے۔ آج پاکستان کا یہ عظیم سائنس دان اسلام آباد میں کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اسے پنشن تک سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اسلام آباد میں نیوکلئیر سائنس دانوں کے لئے کہوٹہ میں انہیں ایک کنال کا پلاٹ دیا گیا جسے بعد ازاں واپس لے لیا گیا۔ ڈاکٹر سعید زاہد کی وہ خطا کیا تھی جس کی پاداش میں انہیں پنشن اور رہائشی سہولت سے بھی محروم کر دیا گیا۔ ان کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ ڈاکٹر سلام کو استقبالیہ دینے کے لئے آمادہ نہیں تھے۔ جبکہ حکومت کی طرف سے انہیں ری سپشن دینے کی ہدایت کی گئی تھی۔ ڈاکٹر سلام ان کی گستاخی کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر زاہد کا انکار سلام کی طبع نازک پر گراں گزرا۔ چنانچہ انہیں سائنس فاؤنڈیشن سے فارغ کر دیا گیا۔ کیونکہ ڈاکٹر سلام کی ہر بات آج بھی جان غزل کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ افریقہ کی ایک ریاست میں حکومت پاکستان کے مصارف پر جو تبلیغی مشن روانہ کیا جا رہا ہے۔ ان کا کثیر زرمبادلہ قادیانیوں کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔ تبلیغی مشن پر جانے والے وفد کے تمام اراکین قادیانیوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اسلامی ریاست کا خزانہ غیر مسلموں کے لئے آج بھی کھلا ہے۔ نہ کوئی احتساب، نہ باز پرس۔ کس سے داد فریاد کی جائے۔

کون سنتا ہے فغاں درویش

ایم ایم احمد کے زمانے میں یہی دستور رائج تھا۔ اس وقت کسی سر پھرے نے قومی اسمبلی میں سوال اٹھا دیا کہ قوم کو اعتماد میں لیا جائے کہ حکومت پاکستان قادیانیوں کے تبلیغ دین کے لئے بھاری اخراجات کیوں برداشت کر رہی ہے۔ جب یہ سوال متعلقہ وزارت میں پہنچا تو ایم ایم احمد نے اس کا گلہ گھونٹ دیا تھا۔ ان دنوں وزارت خزانہ کے سیکرٹری یہی تھے۔ اس کے بعد کسی مرد حر نے جرأت نہ کی۔ آج بھی قومی اسمبلی میں یہ سوال اٹھ جائے تو ایوان کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں۔ اہل وطن کو معلوم ہو جائے کہ کتنا کثیر زرمبادلہ قادیانیوں کے مشن پر اٹھ رہا ہے۔ یہ سوال بھی جاں گسل ہے کہ ڈاکٹر سعید زاہد کو ڈاکٹر سلام کی خواہشات اور مفادات کی نذر کیوں کیا گیا۔ انہیں راستے کا پتھر سمجھنے والے اپنے کن آقاؤں کے لئے دست تعاون دراز کئے بیٹھے ہیں۔

یہ کس کافر کا غمزۂ خون ریز ہے ساقی

میری معلومات کے مطابق حکومت عراق اپنے ایٹمی پروگرام کے فروغ کے لئے ڈاکٹر زاہد کی علمی

اور سائنسی استعداد سے استفادہ کرنا چاہتی ہے۔ مگر پاکستان کا یہ ممتاز سائنس دان قادیانی سازش کا شکار ہو کر گمنامی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ نوکر شاہی کی چیرہ دستیوں سے اس کا سینہ فگار اور دل چھلنی ہو چکا ہے۔ جس شخص نے نیوکلیئر فیکٹری کو ابتدائی مرحلے میں نئی زندگی دی، اس کی ڈیزائنگ میں اپنی صلاحیتیں صرف کیں، سائنس فاؤنڈیشن کو نئی سمتیں عطا کیں، جدید سائنسی علوم پر ید طولیٰ رکھنے والا یہی شخص دیار وطن میں بے یار و مددگار ہے اور شہر خوباں میں اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہے اور ادھر جناب جونیجو کچی آبادیوں کے مکینوں کو مالکانہ حقوق دینے چلے ہیں۔ نظام اسلام کا چرچا ہے اور حقوق العباد سے بے نیازی کا بھی مظاہرہ ہو رہا ہے۔

بیان کیا جا چکا ہے کہ ڈاکٹر سعید زاہد کا قصور فقط یہ تھا کہ انہوں نے ڈاکٹر سلام کو ری سیپشن دینے اور اس میں شرکت کرنے سے معذوری ظاہر کی تھی۔ استقبالیہ میں عدم شرکت پر انہیں سیکرٹری کی طرف سے ناپسندیدگی ڈسپلیشن کا پیغام پہنچایا گیا۔ ڈاکٹر سلام نے اپنی راہ کا کانٹا صاف کر کے ہی سکھ کا سانس لیا۔ تاہم ڈاکٹر اے کیو خان کو وہ اب تک اسیر نہیں کر سکے۔ حالانکہ ڈاکٹر قدیر ان کی عقابی نگاہوں میں شروع دن سے ہی کھٹک رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے ایک بالمشافہ ملاقات میں ڈاکٹر سلام کے نوبل پرائز کی پردہ داری کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہودیوں نے آئن سٹائن کی صد سالہ برسی کے موقع پر ڈاکٹر سلام کو عالمی انعام دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس انٹرویو کی اشاعت پر قادیانیوں نے طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ صدر پاکستان پر دباؤ ڈالا گیا تھا کہ ڈاکٹر قدیر اپنے بیان کی تردید کریں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قادیانیوں کی براہ راست رسائی کہاں تک ہے اور وہ چلمن کے پیچھے بیٹھ کر کہاں سے تار ہلاتے ہیں۔

پاکستان کے ممتاز جیالوجسٹ نے نوائے وقت کے چیف رپورٹر جناب انور فیروز سے انٹرویو کے دوران لرزہ خیز انکشاف کیا تھا۔ ان کا یہ بیان ''نوائے وقت'' کے جمعہ میگزین میں شائع ہوا۔ جس کی تردید آج تک نظر سے نہیں گزری۔

''میں نے 1967ء میں پہلی بار یورینیم دریافت کیا اور اس کی اعلیٰ کوالٹی کے نتائج حاصل کئے۔ یہ سابق صدر ایوب کے لئے چونکا دینے والا انکشاف تھا۔ کیونکہ ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین ڈاکٹر عثمانی کہہ چکے تھے کہ پاکستان میں یورینیم نہیں ہے۔ ایوب خان سے میری ملاقات کے چند دن بعد ڈاکٹر عثمانی کو چیئرمین کے عہدے سے فارغ کر دیا گیا۔ اس نے ایوب خان کو اندھیرے میں رکھا کہ یورینیم کی مدد سے کمیشن کو بھاری رقم مل سکتی تھی۔ ایوب خان نے ایٹمی ادارے کے ڈاکٹر غنی سے کہا کہ وہ میرے ساتھ گلگت جائیں۔ ڈاکٹر غنی نے میری کوششوں کی تعریف کی۔ ان کی واپسی کے بعد میں نے کوششیں تیز کیں

اور 200 کلو یورینیم نکالا اور پھر ایوب خان سے ملا۔ ایوب خان نے ہدایت کی کہ فرانس سے ماہرین کی ٹیم بلائی جائے جو ان علاقوں کا سروے کرے۔ ٹیم گلگت گئی اور صدر کو رپورٹ دی۔ میں ایوب خان کو 1968ء کے شروع میں پھر ملا۔ جنہوں نے مجھے راولپنڈی بلا کر بھاری انعام دینے کا اعلان کیا مگر انہیں مہلت نہ مل سکی۔ ان کے خلاف تحریک شروع ہوگئی۔ وہ اقتدار چھوڑ کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد یورینیم کی تلاش کا منصوبہ غائب ہوگیا۔ صرف ایک جیالوجسٹ یورینیم کی تلاش میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اسے برطرف کر دیا گیا۔ وہ ملک سے باہر چلا گیا اور دوسرے ملک کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔

ایٹمی توانائی کمیشن کے موجودہ چیئرمین نے عہدہ سنبھالا تو مجھے -/2400 روپے ماہانہ کی پیش کش کی۔ پہلے ماہ تنخواہ دی گئی۔ دوسری بار مشروط کر دی گئی کہ میں اخباری بیان دوں کہ میرا پہلا مؤقف جو سرکاری فائلوں میں تھا، وہ غلط تھا۔ میرے انکار پر میری ملازمت ایک ماہ بعد ختم کر دی گئی۔‘‘

ملاحظہ فرمایا آپ نے شیر خان کے پاس 8 ہزار کلوگرام یورینیم پڑا ہے جسے ایٹمی توانائی کمیشن خریدتی ہے نہ حکومت فروخت کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ یاد رہے کہ ایک ایٹم بم کی تیاری میں دس کلوگرام یورینیم درکار ہے۔ ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین نے محض اس لئے شیر خان کو ملازمت سے برطرف کر دیا کہ اس نے پاکستان میں یورینیم کے بھاری ذخائر کی تردید سے صاف انکار کر دیا تھا۔ شیر خان نے سابق وزیر پٹرولیم اور راولپنڈی یونین آف جرنلسٹس کے گولڈ میڈلسٹ کو متعدد خطوط لکھے۔ امریکہ سے قومیت حاصل کرنے والے ڈاکٹر اسد نے مکتوب نگار کو جواب تک دینے کی زحمت نہ کی۔ شیر خان نے صدر سے کہا کہ اگر مجھے ملاقات کا وقت عنایت کیا جائے تو وہ ان تمام چہروں کو بے نقاب کر سکتے ہیں۔ جو پاکستان میں ایٹمی پروگرام کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔ اور نہیں چاہتے کہ ہمارا ملک ایٹمی قوت بنے۔

ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین جناب منیر احمد خان نے تادم تحریر شیر خان کے الزام کی تردید نہیں کی۔ راولپنڈی کے ایک مقامی ہفت روزہ نے یہ شدید الزام عائد کیا ہے کہ اس ادارے میں قادیانی یعنی بھارت اور اسرائیل کے ایجنٹ موجود ہیں۔ ایک منصوبہ کے تحت قادیانیوں کی ایک بڑی کھیپ کو ایٹمی توانائی کمیشن میں انتہائی اہم مقامات پر فائز کیا گیا ہے۔

جناب منیر احمد خان نے اردو ڈائجسٹ سے ایک تفصیلی انٹرویو میں یہ خوش رنگ دعویٰ کیا تھا کہ وہ ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ مقامی طور پر تیار کر سکتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ابھی تک شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا۔ 1977ء میں روزنامہ جنگ میں قوم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اب ہر سال ایٹمی ری ایکٹر لگائیں

گے۔ وقت نے اس دعویٰ کو بھی باطل ثابت کر دیا۔ ہمارے پاس لے دے کے صرف ایک ایٹمی ری ایکٹر موجود ہے جو برقی توانائی کے لئے کراچی میں نصب کیا گیا ہے۔ 175 میگاواٹ کا یہ ری ایکٹر ناقص کارکردگی کے باعث رواں حالت میں نہیں ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ 175 میگاواٹ کا پوری دنیا میں یہ واحد ری ایکٹر ہے جبکہ بالعموم 500 یا 1000 میگاواٹ کا حامل ری ایکٹر ہوتا ہے۔ تحریک استقلال کے سربراہ جناب اصغرخان نے بھی ایٹمی توانائی کمیشن کو چیلنج کیا ہے اور کہا ہے کہ 175 میگاواٹ کا حامل یہ ری ایکٹر صحیح حالت میں کام کرنے سے قاصر ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بھارت کے پاس ایٹمی ری ایکٹروں کی تعداد بارہ کے لگ بھگ ہے۔

ڈاکٹر عفاف نے روزنامہ ''مسلم'' کے 9 مارچ کے شمارے میں پاکستان کے نیوکلیئر پروگرام کی ناکامی کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> ''ہندوستان کے ایٹمی توانائی کے کمیشن میں بے شمار پی ایچ ڈی سائنس دان کام کر رہے ہیں۔ جبکہ منیر احمد خان جو گزشتہ چودہ سال سے مسلسل ایٹمی توانائی کمیشن کے سربراہ چلے آرہے ہیں۔ نہ تو ڈاکٹر ہیں نہ ہی نیوکلیئر انجینئرنگ میں کوئی ڈگری حاصل کی ہے۔ وہ صرف الیکٹریکل انجینئرنگ میں ایم ایس سی ہیں۔ انہوں نے چودہ سال میں کوئی قابل ذکر کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔

منیر احمد خان کی عمر ساٹھ سال کے قریب ہے۔ وہ ریٹائرمنٹ کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ لیکن اپنی ملازمت کی توسیع کرنے کے لئے انہوں نے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے ہیں۔ داد دیجئے کہ انہوں نے سفارش کے لئے کیا خوبصورت منصوبہ تیار کیا ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ اب تک اپنے منصوبہ میں کامیابی ہو بھی چکی ہو۔

مارچ کے آخر میں ایٹمی توانائی کے بین الاقوامی ادارے کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر سیگواڈ ایکلونڈ کو خصوصی طور پر پاکستان آنے کی دعوت دی گئی۔ ڈاکٹر سیگواڈ نے صدر پاکستان سے بھی ملاقات کی اور بعد ازاں نیوز کانفرنس سے خطاب کیا۔ انہوں نے اخباری نمائندوں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ

> پاکستان نے ایٹمی توانائی کے پرامن مقاصد خصوصی طور پر میڈیسن اور زراعت کے شعبوں میں زبردست ترقی کی ہے۔ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کے معائنہ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ ان تنصیبات کی دیکھ بھال اور سب سے بڑھ کر پاکستانی سائنس دانوں سے متاثر ہوئے ہیں۔ پاکستان کے ایٹمی توانائی کمیشن کو اس عظیم الشان کارکردگی کے پیش نظر بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ایٹمی ٹیکنالوجی میں پاکستان کا مستقبل بڑا

روشن ہے۔ ڈاکٹر سیگوارڈ نے پنسٹک کا بطور خاص حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ پنسٹک ٹریننگ اسکول میں سائنس دانوں کی تعلیم وتربیت کا معیار بڑا قابل تعریف ہے۔

ڈاکٹر سیگوارڈ کا یہ ستائشی بیان باخبر لوگوں کے لئے موجب حیرت ہے۔ یہ وہی صاحب ہیں جو قبل ازیں پاکستان کے پرامن ایٹمی پروگرام پر شکوک وشبہات کا اظہار کر رہے تھے۔ آج اسی زبان سے تعریف کے ڈونگرے برسا رہے ہیں۔ زبانی تنقید وتوصیف کے ستائش میں کیسے ڈھل گئے۔ ڈاکٹر سیگوارڈ نے پنسٹک کا بطور خاص حوالہ دیا اور منیر احمد خان کی خدمات اور علمی صلاحیتوں کو سراہا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جناب منیر کی عمر ساٹھ کے ہندسے کو چھو رہی ہے۔ اور وہ ملازمت سے ریٹائر ہونے کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ توسیع ملازمت کے لئے ان کے دل میں تمنا جوان ہو رہی ہے۔ بعض باخبر لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ براہ راست اپنی ملازمت میں توسیع کی استدعا نہیں کرنا چاہتے بلکہ بلواسطہ جناب صدر اور وزیراعظم کے دل میں نرم گوشہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ خود کہنا نہیں چاہتے تھے۔ زبان غیر سے اس کی شرح کر دی گئی ہے۔ واقفان حال کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر سیگواڈا ایکلونڈا کا ایسے وقت میں پاکستان کا دورہ، جب جناب منیر احمد خان ریٹائرمنٹ کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ بڑا ہی پہلو دار اور معنی خیز ہے۔ کچھ لوگ منیر احمد خان اور ڈاکٹر سیگواڈا کے درمیان گہرے مراسم اور ربط باہم کو بھی خیال آفریں سمجھتے ہیں۔

ہمارے قومی رہنماؤں میں اصغر خان وہ واحد سیاست دان ہیں۔ جنہوں نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر بڑی فراوانی سے بیانات جاری کئے ہیں۔ انہوں نے گزشتہ سال امریکہ میں قیام کے دوران کہا تھا کہ یہ پاکستان کی حماقت ہوگی کہ وہ ایٹم بم بنائے۔ اسرائیلی ریڈیو ان کے کلام کو لے اڑا تھا اور حضرت اصغر خان کے اس جرأت مندانہ بیان پر خراج تحسین پیش کیا تھا۔ اصغر خان بہت مسرور ہیں کہ ستائش کی سند مل گئی۔ یہ اعزاز ان کو مبارک ہو۔ رقیب بھی خوش ہے کہ میرا کارواں خوئے دل نوازی رکھتا ہے۔ اصغر خان کا سیکولرازم جو کل تک دل نشیں لفظوں میں دستور تھا، آج ان کے تکلم سے چھلک پڑا ہے۔

ہم برسبیل تذکرہ یا تفریحاً یہ بات نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ قصداً انہوں نے گداز گوشہ رکھا ہے تاکہ اہل قادیان ان سے الرجک نہ ہوں اور انہیں قربت کا احساس رہے۔ بیان کیا جا چکا ہے کہ اسرائیل اور قادیان کوئی غیر نہیں ہیں۔ قادیانیوں نے جبکہ اسرائیل میں اپنے مشن قائم کر رکھے ہیں تو کیا اسرائیل اپنی موساد کے ذریعے قادیانیوں کی صفوں میں داخل نہیں ہو سکا؟ قادیانی اور یہودی اصل میں دونوں ایک ہیں۔ ایک کو قادیان کی بازیافت کی تڑپ ہے اور دوسرے کو ہیکل سلیمانی کی جستجو بے چین کر رہی ہے۔ شاہین پاکستان نے روزنامہ جنگ کو ایک طویل انٹرویو دیا۔ فرماتے ہیں۔

صدر نے قوم کو پرفریب تاثر میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یہ تاثر سراسر غلط ہے۔ میری معلومات کے

مطابق پاکستان کے سائنس دانوں کو ایٹم بم تیار کرنے کی تمام صلاحیتیں رکھنے کے باوجود ایسے کسی پروگرام کو تکمیل کے آخری مراحل تک پہنچانے کی ہدایات نہیں ہیں۔ نہ ہی موجودہ حکومت اس قسم کے منصوبے میں سنجیدگی کے ساتھ دلچسپی رکھتی ہے۔ بڑی طاقتیں جانتی ہیں کہ ضیاء الحق رائے عامہ اور پاکستانی قوم دونوں کو دھوکہ میں رکھے ہوئے ہیں۔ ویانا میں سبرامنیم اور ڈاکٹر سلام کے درمیان ہونے والی گفتگو صورت حال کو واضح کر دیتی ہے۔“

(روزنامہ جنگ 15 مارچ 1982ء)

اصغر خان کے اس بیان سے واقعی صورت حال واضح ہو جاتی ہے۔ انہوں نے ڈاکٹر سلام اور سبرامنیم کی گفتگو کا حوالہ دیا۔ جو ویانا میں ان کے درمیان ہوئی۔ مقام فکر ہے کہ پاکستان کی طرف سے ڈاکٹر سلام کو بات کرنے پر کس نے مامور کیا۔ خلوت میں ہونے والی ملاقات اصغر خان تک کیسے پہنچی۔ یہ رازنہاں ان پر کیسے عیاں ہوا۔ اصغر خان کے بیان پر تبصرہ تو بعد میں ہوگا مگر یہ حقیقت کسی ثبوت کی محتاج ہے کہ ڈاکٹر سلام اپنے آقاؤں کو ایٹمی خبروں کی ترسیل کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ کہاں ڈاکٹر سلام اور کہاں سبرامنیم۔ یہ سبرامنیم وہ شخص ہے جو پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو میلی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اور ہماری رسوائی کے در پے ہے۔ سبرامنیم کو تو بھارت کی نمائندگی کا حق حاصل ہے۔ مگر پاکستان کی طرف سے ڈاکٹر سلام کو ترجمانی کا حق کس نے دیا۔ یہ سوال حقائق کا پردہ چاک کر کے رکھ دیتا ہے۔ کیا سربراہ مملکت اس کی وضاحت فرما سکتے ہیں۔ کیا وہ اہل وطن کو اعتماد میں لینے کے لئے تیار ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر بتایا جائے کہ شاہین پاکستان، ڈاکٹر سلام کی وضاحت کو کیوں قبول کر رہے ہیں۔ انہیں ڈاکٹر سلام کی وکالت کیوں مقصود ہے؟ اگر اصغر خان اس پہیلی کے سیاق وسباق سے آگاہ ہیں تو وہی وضاحت فرمادیں۔ مجھے ان کے جواب کا شدت سے انتظار رہے گا۔

اصغر خان اس سلسلے میں کیا دلائل رکھتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ پاکستان کو ایٹم بم بنانے کی بجائے اقتصادی پروگرام پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ نیز ایٹم بم بنانے کی حماقت سے باز آجانا چاہئے۔ دلیل بظاہر دل کش اور دل میں اتر جانے والی ہے مگر یہ بات کہتے وقت لائق احترام سیاسی قائد کو ہندوستان کے خوفناک عزائم سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہئے۔ ہندوستان 1974ء میں ایٹمی دھماکہ کر کے نیوکلیئر کلب میں شامل ہو چکا ہے۔ اس نے اعلانیہ ایٹم بم بنایا ہے اور ہائیڈروجن بم کے تجربات میں مصروف ہے۔ اس نے روس کی ننگی جارحیت سے مشرقی پاکستان کو ہڑپ کر لیا ہے اور برملا عالمی پریس کے سامنے اظہار فخر کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے پاکستان کے دوقومی نظریہ کو خلیج بنگال میں غرقاب کر دیا ہے دشمن جب اس قدر بھیانک تیور سے پڑوسی ملک سے مخاطب ہو تو شاہین پاکستان کا ٹائٹل حاصل کرنے والے سیاسی قائد

ان کے لئے دل بستگی کا سامان پیدا کریں اور قوم کو اپنی آنکھ نیچی کرنے کے مشورے سے نوازیں تو پھر وطن کی بقا صرف دعاؤں ہی کے سہارے قائم رہ سکتی ہے۔

اصغر خان مزید کہتے ہیں۔

''میں اب تک 65 جلسے کر چکا ہوں۔ اس بارے میں پاکستان کی حساسیت مجھے کہیں نظر نہ آئی۔ ایٹم بم بنانے میں کسی غیر معمولی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا البتہ اخبارات میں غیر معمولی جذباتیت کا اظہار ضرور کیا جاتا ہے۔ بنگلہ دیش کا مسئلہ بھی جذباتی تھا، اس طرح نیوکلئیر پروگرام بھی۔ پاکستان کے لئے اہم اقتصادی مسئلہ ہے۔ ہمارے پاس صرف ایک ایٹمی ری ایکٹر ہے اور وہ بھی صحیح طریقے سے کام نہیں کر رہا۔ اس وقت بڑی طاقتیں ہماری مدد کو اس وقت تک نہیں آئیں گی جب تک انہیں ہماری نیت کے بارے میں یقین نہیں ہو جاتا۔ ضیاء الحق اب تک جو کچھ کہتے رہے ہیں، ان طاقتوں کو ان کی زبان پر اعتماد نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ضیاء الحق جھوٹ بول رہے ہیں۔''

تحریک استقلال کے قائد پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے سلسلے میں پاکستانی عوام کے تغافل پر شکوہ کر رہے ہیں کہ وہ نیوکلئیر پروگرام پر حساس نہیں ہے۔ اسے ایٹم بم سے کوئی دلچسپی نہیں۔ صرف اخبارات نے اسے مسئلہ بنایا ہوا ہے۔ اصغر خان کے لئے یہ بات سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگی کہ قومی اخبارات عوام کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اگر اخبارات پاکستان کے نیوکلئیر پروگرام کے بارے میں متجسس ہیں تو اس لئے کہ اہل وطن کے لئے یہ نہایت جذباتی مسئلہ بن چکا ہے۔ اگر قوم اتنی بے حس اور جذبات سے بے نیاز ہے جیسے اصغر خان سمجھ رہے ہیں تو کہوٹہ کے ہزاروں لوگ جن میں ناخواندہ بھی یقیناً شامل ہوں گے۔ وفور شوق میں پاکستان کے رجل عظیم جناب قدیر خان کے گلے میں گولڈ میڈل نہ ڈالتے اور ان کی عظمت کو سلام عقیدت نہ پیش کرتے۔ اصغر خان مزید فرماتے ہیں کہ بنگلہ دیش کو تسلیم نہ کرنے کے سلسلے میں بھی پاکستانی عوام نے جذبات کا سہارا لیا۔ ابھی لوگوں کا حافظہ محفوظ ہے۔ اسے سیاست دانوں کی طرح دیمک نہیں لگی۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے۔ کہ پوری قوم نے خیبر سے کراچی تک بیک زبان ہو کر بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کی مخالفت کی تھی۔ مسٹر بھٹو جہاں بھی گئے انہیں شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ بڑے فیاض سیاست دان تھے۔ انہوں نے جب قوم کا بپھرا ہوا موڈ دیکھا تو وہ اس مسئلے کو قومی اسمبلی میں لے آئے۔ پیپلز پارٹی کے ارکان کی اکثریت نے پارلیمنٹ میں بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیا۔ نوائے وقت نے اگلے روز شہ سرخی کے ساتھ خبر شائع کی کہ وزیر اعظم بھٹو نے بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیا۔ یعنی قوم نے اس سلسلے میں مسٹر بھٹو کو مینڈیٹ نہیں دیا بلکہ یہ فرد واحد اور ایک آمر مطلق

کا ذاتی فیصلہ تھا جسے ایوان کے نام سے قوم پر مسلط کر دیا گیا۔ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے بعد 90 ہزار جنگی قیدیوں کی واپسی کا کیا جواز رہ گیا تھا۔ ہندوستان یہی چاہتا تھا کہ پاکستان بنگلہ دیش کو تسلیم کر لے۔ اصغر خان اپنے دلائل سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اہل پاکستان کے جذبات کی کوئی اہمیت نہیں۔

یہ استدلال پیش کرتے ہوئے اصغر خان اپنی کہہ مکرنی بھول گئے کہ انہوں نے قوم کے جذبات سے مجبور ہو کر بنگلہ دیش کے تسلیم کئے جانے کے اپنے پہلے مؤقف سے توبہ کر لی تھی۔ بنگلہ دیش کی مثال دے کر وہ اب اپنا سیسہ انڈیل رہے ہیں کہ پاکستان کو ایٹمی پروگرام کے سلسلے میں اپنی عوام کی کوئی تائید حاصل نہیں۔ اور اگر ہے بھی تو ایک سچے لیڈر کو دوٹوک بات کہنی چاہئے۔ عوام ہی ان قائدین کو لیڈر بناتے ہیں اور اصغر خان الٹا عوام کو سرزنش کرتے ہیں کہ ایک سچے لیڈر کو عوام کے جذبات اور امنگوں کی فکر دامن گیر نہیں ہونی چاہئے۔

جہاں تک ایٹمی ری ایکٹر کا تعلق ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں گذشتہ دس بارہ سال سے 175 میگاواٹ کا ایک ہی ایٹمی ری ایکٹر ہے۔ کمال یہ ہے کہ اس ری ایکٹر نے آج تک 175 میگاواٹ پر اپنی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اگر ری ایکٹر مذکور کی صلاحیت کار صحیح نہیں ہے تو اس میں اہل وطن کا کیا قصور؟ یہ تو منیر احمد خان بہتر بتا سکتے ہیں جن کا دعویٰ تھا کہ مزید ری ایکٹر لائیں گے۔ چنانچہ امریکہ اور فرانس کے ماہرین کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ جب پاکستان کے نامور سائنس دان واحد ری ایکٹر کو کام میں نہیں لا سکتے تو مزید فراہم کرنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ یہ رویہ پاکستانی سائنس دانوں کو نا اہل اور مشکوک بنانے کے مترادف ہے اور اصغر خان وہی جواز پیش کر رہے ہیں جو امریکہ اور فرانس شروع دن سے کہتے چلے آ رہے ہیں۔

ہندوستان پاکستان کے خلاف تین چار مرتبہ جارحیت کر چکا ہے۔ ہمارے مدمقابل ایک ایسا دشمن ہے جو کسی بھی لمحہ شب خون مارنے سے گریز نہیں کرے گا۔ ہم دشمن کے بھیانک عزائم اور اس کے ایٹمی پروگرام کی خوفناک تیاریوں سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ اسے جس دن ہماری کمزوری کا ادراک ہو گا۔ وہ جنگ و جدل سے گریز نہیں کرے گا۔ اسی باعث تو پاکستانی عوام جذباتی ہو رہے ہیں۔ پاکستانی عوام کو جنگ و قتال سے کوئی دلچسپی نہیں مگر وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ کوئی ان کو ہڑپ کر جائے۔ انہیں وطن کے دفاع کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ سیاست دان جو پبلک کے جذبات اور حمایت سے اقتدار کی کرسی پر بیٹھنے کے خواب دیکھتا ہے اسے عوام کے اجتماعی احساسات کی ترجمانی کا فریضہ ادا کرنا چاہئے۔ ہندوستان کی وکالت کا طوق گلے میں لٹکا کر قوم کی خدمت نہیں کی جا سکتی۔ یہ محض اغیار کو خوش کرنے کے حیلے ہیں۔

میں اس دل گرفتہ داستان کو بادل نخواستہ سمیٹ رہا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ مجھے کسی شخص کے ساتھ کوئی

ذاتی عناد ہے نہ پرخاش۔ فقط اصلاح مقصود ہے۔ وطن کی محبت نے مجبور کیا ہے کہ میں اہل وطن کو قادیانیوں کی خوفناک سازش سے آگاہ کردوں جو دیمک کی طرح تمام اداروں کو چاٹ رہے ہیں۔

پاکستان کے تمام ایٹمی ادارے اس کی دستبرد سے محفوظ نہیں ہیں۔ کہوٹہ ریسرچ سنٹر ایک ایسا ادارہ ہے جو محض ڈاکٹر قدیر خان کی شدید حب الوطنی اور والہانہ محبت کی وجہ سے ان یہودی گماشتوں سے بچا ہوا ہے۔ اگرچہ مردے کھانے والے کرگس کی طرح قادیانی اس عظیم ترین ادارے کے گرد بھی چکر لگا رہے ہیں۔ قدیر خان قوم کی متاع حیات اور سرمایہ زندگی ہیں۔ ان کی حفاظت کی جائے کہ وہ قوم کی زندگی ہیں۔

میں صدر پاکستان سے وطن کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں اصلاح احوال کی طرف توجہ دیں۔ وطن کی مٹی ان سے اپنا قرض طلب کرتی ہے۔ یہ قرض جتنی جلدی بے باق ہو۔ اتنا ہی اچھا ہے۔

لوگ ایک بازار میں جائیں گے جسے ملائکہ گھیرے ہوئے ہیں۔ اس میں وہ چیزیں ہوں گی کہ ان کی مثل نہ آنکھوں نہ دیکھی نہ کانوں نے سنی، نہ قلوب پر ان کا خطرہ گزرا، اس میں سے جو چاہیں گے ان کے ساتھ کر دی جائے گی۔ اور خرید و فروخت نہ ہوگی اور جنتی اس بازار میں باہم ملیں گے چھوٹے مرتبہ والا بڑے مرتبہ والے کو دیکھے گا اور لباس پسند کرے گا اور ہنوز گفتگو ختم بھی نہ ہوگی کہ خیال کرے گا میرا لباس اس سے اچھا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ جنت میں کسی کے لئے غم نہیں۔ پھر وہاں سے اپنے اپنے مکانوں کو واپس آئیں گے۔ ان کی بی بیاں استقبال کریں گی اور مبارکباد دے کر کہیں گی کہ آپ واپس ہوئے اور آپ کا جمال اس سے بہت زائد ہے کہ ہمارے پاس سے آپ گئے تھے۔ جواب دیں گے کہ پروردگار جبار کے حضور بیٹھنا نصیب ہوا تو ہمیں ایسا ہو جانا سزاوار تھا۔ جنتی باہم ملنا چاہیں گے تو ایک کا تخت دوسرے کے پاس چلا جائے گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان کے پاس نہایت اعلیٰ درجہ کی سواریاں اور گھوڑے لائے جائیں گے۔ اور ان پر سوار ہو کر جہاں چاہیں گے جائیں گے۔ سب سے کم درجہ کا جو جنتی ہے اس کے باغات اور بی بیاں اور نعیم و خدام اور تخت ہزار برس کی مسافت تک ہوں گے اور ان میں اللہ عزوجل کے نزدیک سب میں معزز وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے ہر صبح و شام مشرف ہوگا۔ (بہار شریعت)